OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.9 Issue 10 December 2021

خانقاہی نظام کے احیاء کے لئے راہِ عمل (خواجہ نظام الدین اولیاء کے قائم کردہ نظمِ خانقاہی کے تناظر میں)

THE WAY TO REVIVE THE MONASTIC SYSTEM (IN THE CONTEXT OF THE MONASTIC SYSTEM ESTABLISHED BY KHAWAJA NIZAMUDDIN AULIYA)

Hafiz Mudassar Farooq
Ph.D Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Hafiz Muhammad Abdullah
Research Scholar, Al-Idrak Research Centre, Lahore.

Abstract: The Rulers who rule the world are of different kinds. Some who always show off their mightiness, exploit the poor's and ingratiate others by money. All those want to raise the power and even spread Anarchy for this purpose. On the contrary, there are Sufis who rule hearts have pure souls and in fact are the inheritors of the prophets.Their governing style emphasizes the inner rather than the outer. In addition to visiting various places for preaching, their monasteries were a sea of knowledge, Love and peace. Keeping in view this background, this paper discusses various aspects of Sufi monasteries especially with regard toKhwaja Nizam ul din Auliya. He taught spiritism, Philanthropy, Minority rights to many of his disciples through his School (monastery). Most importantly, His own actions were in line with that. He positively revived the system of monasteries and broke many myths related this. This paper creates harmony among different cultures, religions, Sects and casts in light of his teachings.

Keywords: Sufis, Khanqah, Sufi monasteries, Khwaja Nizam ul din, spiritism, Philanthropy,myths.

چشمِ فلک نے ہمیشہ دو طرح کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے۔ایک وہ بادشاہ، جو انسانیت سے اپنی ملوکیت کا خراج وصول کرتے ہیں، جو مظلوموں اور بے کسوں پر بزورِ شمشیر حکومت کرتے ہیں، جو طاقتِ شاہی اور جبر و تشدد کا مظاہرہ کرکے اپنی فرمانروائی کا سکہ جاری کرتے ہیں، جو اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے ہر قسم کی خود غرضی، بے انصافی اور وحشت و بربریت کو روا رکھتے ہیں۔اس سب سے ان کا ایک ہی مقصود و مطلوب ہوتا ہے کہ کسی بھی طرح سے ان کی حکومت غیر مستحکم نہیں ہونی چاہیے۔رُوبہ زوال ہونے کا خوف انہیں ہر لحظہ جابرانہ عزائم بروئے کار لانے پر مجبور کرتا ہے۔جبکہ دوسری بادشاہت ان درویشانِ خدامست کی ہوتی ہے جو بربریت کے صحرا میں محبت کے بیج بوتے ہیں، جو ظلم وستم کی چکی میں پستی انسانیت کو صبر و قرار کی انمول دولت عطا کرتے ہیں۔جو کفر و شرک کے ظلمت کدوں میں چراغ مصطفوی ﷺ روشن کرتے ہیں۔ان نفوسِ قدسیہ کا مطلوب و مقصود خود غرضی اور مفاد پرستی کی مسموم فضا میں روحانی لطافتوں کی خوشبو تقسیم کرنا اور بندوں کو خدا سے ملا کر انہیں آلائشِ دنیا اور حرص و ہوس سے بے نیاز کرنا ہوتا ہے۔

سلاطینِ دنیا انسانوں پر حکومت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان کی حکومت انتہائی عارضی اور ناپائدار ہوتی ہے۔یہ جسموں، شہروں اور ملکوں میں حکومت کرتے ہیں، جبکہ اولیائے کرام ذہنوں اور دلوں پہ حکومت کرتے ہیں۔اُن کا مطمحِ نظر ظاہر سے سرِ تسلیم خم کروانا ہے جبکہ صوفیۂ کاملین کے پیشِ نظر تسخیرِ باطن ہوا کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ شہنشاہوں کا اقتدار حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ہے مگر ان صوفیائے عظام کی شان و شوکت اور محبت و عظمت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔یہ تلوار سے نہیں، اخلاقِ مصطفوی ﷺ اور نگاہِ کیمیا گر کے اثر سے دلوں کو فتح کرتے ہیں۔

تاریخ اسلامی کے ہر دور میں صوفیۂ کرام کے مختلف طبقات موجود رہے ہیں جنہیں قبولیتِ عامہ بھی حاصل رہی ہے۔اس کی بنیادی وجہ بھی یہی تھی کہ صوفی، ظاہر کی بجائے باطن پر زیادہ زور دیتا ہے۔اسی حقیقت کی غمازی کرتے ہوئے پروفیسر سید صفی حیدر رقمطراز ہیں:

> ”صوفی بھی شاعر کی طرح اشیاء کے باطنی اور روحانی رشتوں کو تلاش کرتا ہے اور اپنے ترکیبی فلسفے کی مدد سے مختلف النوع چیزوں میں باطنی ربط تلاش کرتا ہے اور اشیاء کے ظاہری اختلاف کے باوجود ان کی روح میں حقیقتِ اولیٰ کو منعکس دیکھتا ہے۔“1

جس مسلک کو صوفیۂ کرام اختیار کرتے ہیں اور جس پہ پوری زندگی کاربند رہتے ہیں، اسے تصوف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ درحقیقت تصوف، اخلاق و کردار اور انسانیت کے دلپذیر اور دلکش مطالب کا بحرِ ذخار ہے جو ہر مذہب اور مسلک کے انسان کے لیے نہ صرف یہ کہ مفید ہے بلکہ انتہائی اہمیت کا حامل بھی ہے۔ اسی افادیت اور ہمہ گیریت کے پیش نظر تصوف کے بارے میں اس قدر لب کشائی اور خامہ فرسائی ہوئی ہے کہ اس موضوع پر لکھی گئی کتب سے کتب خانے ترتیب دیے جا سکتے ہیں۔ تصوف، تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور اخلاقِ عالیہ سے عبارت ہے۔ چنانچہ حضرت محمد بن علی بن حضرت امام حسین بن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا فرمان مبارک ہے:

"التصوف خلق فمن زاد عليك في الخلق زاد عليك في التصوف."2

(تصوف، اخلاق سے عبارت ہے، جو اخلاق میں جتنا عالی مرتبہ ہوگا، وہ اتنا ہی بڑا صوفی ہوگا۔)

گویا تصوف اسم اور رسم کا نام نہیں بلکہ معنیٰ اور حقیقت کا نام ہے۔ اہلِ تصوف کے یہاں صرف مراسم کی پابندی نہیں ہوتی بلکہ اصلاً مصالح اور مقاصدِ شرع کی پابندی لازمی ہوتی ہے، ان کے ہاں الفاظ کی بجائے حقائق و معانی کی دنیا تک رسائی امرِ بدیہی ہے۔ زاہدانہ تقشّف کی بجائے صوفیۂ کرام حکیمانہ جدوجہد کو ترجیح دیتے ہیں۔ شر کو احسن طریقے سے دفع کرنا ان کے عزائمِ مہمّہ میں شامل ہے۔ ان اوصاف کا حامل صوفی جہاں بھی اپنا مقام اختیار کر لیتا ہے، وہی اس کی خانقاہ کہلاتی ہے۔

خانقاہ کا تعارف

خانقاہ کی لفظی تشریح میں اہلِ علم کے مختلف اقوال موجود ہیں۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حوالے سے فرمایا کہ لفظ "خانقاہ" دو الفاظ سے مرکب ہے۔ "خان" بمعنیٰ خانہ اور "قاہ" بمعنیٰ عبادت یا دعا ہے۔ لہٰذا خانقاہ سے مراد عبادت خانہ ہے۔ ضروری ہے کہ اس میں عبادت و دعا کی جائے تاکہ دعا اور عبادت جلدی قبول ہو۔3

ایک قول یہ بھی موجود ہے کہ یہ لفظ "خانگاہ" کا معرب ہے جس کے معنی کھانے کی جگہ ہے۔ اسی کی مزید تشریح یوں بھی کی جاتی ہے کہ یہ دو لفظوں سے بنا ہے۔ "خان" اور "گاہ"۔ فارسی میں "خان" رئیس، امیر اور پیشوا کے معنی میں آتا ہے اور رشد و ہدایت اور لطائف کشف رکھنے والے اہل اللہ کے لیے لفظ "خان" بولا جاتا ہے جبکہ "گاہ" جگہ کے معنی میں آتا ہے۔ ترک بادشاہوں کا لقب بھی خان ہوتا تھا۔4

اب خانقاہ کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جگہ جہاں رجال اللہ، ذکر و فکر، عبادت و ریاضت اور خلقِ خدا کی رہنمائی کے لیے سکونت اختیار کرتے ہیں، وہی جگہ ان کی خانقاہ کہلاتی ہے۔

مذکورہ بالا اقوال سے واضح ہوا کہ خانقاہ، بلند و بالا عمارات کے تسلسل، گنبد و مینار کی چمک اور واردین و نازلین کے ہجوم کا نام نہیں بلکہ اس کارخانے کا نام ہے، جہاں اولیائے عظام کی صورت میں رجالِ کار تیار کیے جاتے ہیں۔ لفظ تبدیل ہو سکتے ہیں، انھیں رباط، دائرہ، زاویہ اور کہیں تکیہ یا کسی اور لفظ کا لبادہ اوڑھایا جاسکتا ہے مگر حقیقت سب کی ایک ہی ہے۔

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کا خانقاہی نظام اور عصر حاضر میں خانقاہی نظام کا احیاء

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ تبلیغِ دین، اصلاح معاشرہ اور خدمت خلق میں صوفیۂ کرام کے خانقاہی نظام کا بنیادی کردار رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کریں تو اندازہ ہوگا کہ اسلام کی شمع کو بجھانے کے لیے ظلم و استبداد کی آندھیاں چلی ہوں، اسلام کا رنگ و روپ دھار کر یزید و حجاج کی ظلم و زیادتی کا سامنا کرنا پڑا ہو یا غیر اسلامی شکل میں تاتاریوں کی یورش، ہر محاذ پر جماعتِ صوفیہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دینی اقدار کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ مزید طاقت و قوت کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے مقصد کو آگے بڑھایا۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حقیقی بھانجے خواجہ تقی الدین نوح کو خاص مریدوں کے سامنے خلافت سے سرفرازی فرمانے کے بعد نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ”جو کچھ فتوحات تمہیں ملیں، اسے ذخیرہ نہ کرنا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھنا بلکہ مخلوق خدا پر خرچ کردینا۔ اگر تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو اپنے دل کو ملول نہ کرنا کہ خدا تمہیں بہت زیادہ عطا فرمائے گا۔ کسی کی برائی نہ چاہنا، کسی کے لیے بد دعا نہ کرنا۔ بادشاہ اور حاکموں کی جانب سے گاؤں یا وظیفہ قبول نہ کرنا کہ درویش اپنے اقرار کا پابند ہوتا ہے اور وہ وظیفہ لے کر ذلیل و رسوا نہیں ہوتا۔ اگر تم نے ان باتوں کی پابندی کی تو شاہانِ وقت تمہارے دروازے پر آئیں گے۔“5

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی درج بالا وصیت کے کلمات پر غور و فکر کیا جائے اور حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے اپنے عہد میں عملی طور پر جس خانقاہی نظام کا اجراء و نفاذ کیا تھا، اس کا تاریخی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی جامعیت، اختصار اور بصیرت کے ساتھ اپنے خانقاہی نظام کو مذکورہ بالا وصیت میں سمو دیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا خانقاہی نظام بے شمار خصوصیات کا حامل تھا، جن کی روشنی میں عصر حاضر کے خانقاہی نظام کا احیاء کیا جا سکتا

ہے اور یہی وہ مثالی خانقاہی نظام ہے جہاں سے جنید و بایزید رحمہما اللہ کی صورت میں فردِ فرید تیار ہوتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ذیل میں خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خانقاہی نظام کی خصوصیات میں سے چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جو عصر حاضر میں خانقاہی نظام کے احیاء کے لئے مدو معاون ثابت ہوں گی۔

ا-راہ سلوک کی تربیت

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنے ہر مرید کی تربیت اس نہج پر کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر گامزن رہے، احکام کی پابندی کرتا رہے، فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات میں پختگی کے ساتھ کاربند رہے اور اخلاق رذیلہ سے اپنے آپ کو کوسوں دور رکھے۔ آپ کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے خلفاء و مریدین میں راہِ سلوک کے مذکورہ تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے اور آپ سے تعلق رکھنے والے نفوس محبت و دردِ دل سے معمور تھے۔

خواجہ امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کی اسی خصوصیت کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ ذکر ہوا کہ سلوک کی اصل کیا ہے؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور مرید ہو گیا اور خواجہ کے فرمان کا منتظر رہا کہ نماز، روزے اور اوراد کے سلسلے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ حضرت خواجہ اجل شیرازی نے صرف اتنا فرمایا کہ جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے، وہی دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو اور اپنے لیے وہی چاہو جو دوسروں کے لیے چاہتے ہو۔ الغرض وہ شخص واپس چلا گیا۔ ایک مدت کے بعد پھر خواجہ شیراز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی اس روز حضور سے مرید ہو کر منتظر تھا کہ خواجہ مجھ سے نماز اور دیگر اوراد کے بارے میں فرمائیں گے، مگر کوئی حکم نہ ہوا، آج پھر منتظر ہوں۔ حضرت خواجہ نے استفسار فرمایا کہ اس روز تمہارا سبق کیا تھا؟ مرید حیران ہوا اور کچھ جواب نہ دیا۔ آپ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس روز میں نے تم سے کہا تھا کہ جو کچھ اپنے لیے پسند نہیں کرتے، دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرو اور اپنے لیے وہی چاہو جو غیر کے لیے چاہتے ہو۔ تمہیں پہلی مشق ہی یاد نہیں رہی تو دوسری مشق کیسے کراؤں؟"6

اسی طرح حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلفاء کی تربیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''سلوک کے سو درجات ہیں، جس میں سترہویں (۱۷) درجے میں کشف و کرامات کا صدور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر سالک اسی میں رہ جائے تو باقی تراسی (۸۳) درجات کا حصول کب کرے گا؟ اس لیے فقیر کو اپنی نظر کشف و کرامت تک محدود نہیں رکھنی چاہیے۔''7

علاوہ ازیں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصحاب اور عوام کو تاکید کی تھی کہ مستحبات و آداب بھی فوت نہ ہونے پائیں۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ توبہ پر استقامت اختیار کرے کیونکہ سلوک کی راہ سے اسی وقت گزرا جا سکتا ہے کہ سالک کا مقصد طلبِ جاہ و کرامت نہ ہو۔ اس راہ میں جو استقامت مطلوب ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے اور اس پر مضبوطی و ثابت قدمی اس حد تک ہونی چاہیے کہ مستحبات اور آداب بھی ترک نہ ہونے پائیں''۔8

سلوک کے حوالے سے آپ کی سیرت اور ارشادات مشائخِ عصر کے لیے مشعل راہ ہیں۔ مشائخ، دراصل مسندِ ارشاد پر اسی لیے فائز کیے جاتے ہیں تاکہ ناقصوں کو کامل اور کاملوں کو رہنما بنائیں۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے نفوس کے سلوک کی تکمیل کی، یہ کسی سے پوشیدہ امر نہیں ہے۔ یقیناً آپ کی زندگی عصر حاضر میں مشائخ عظام اور مریدین و متوسلین کے لئے نمونۂ عمل ہے۔

۲۔علم و معرفت کا فروغ

علم کی ضرورت و اہمیت سے کس کو انکار ہے؟ اس کا حصول دنیا و آخرت ہر دو میں کامیابی کے لیے ہر فردِ انسانی پر لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات مشائخ عظام رحمہم اللہ علیہم حصولِ علم پر بہت زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔ علومِ ظاہرہ و باطنہ کی جامعیت اور پھر ان میں کمال تبحر کے بعد ہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو حقائق و معارف سے حظِ وافر ملا تھا۔ آپ کے علمی مقام و مرتبہ کے بارے میں صاحبِ سیر الاولیاء لکھتے ہیں:

> ''کسی علم سے متعلق گفتگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش ہوتا، آپ اپنے نورِ باطن سے اس کا شافی جواب عنایت فرماتے تھے۔ اہلِ مجلس حیرت زدہ رہ جاتے اور ایک دوسرے کا منہ تکتے کہ یہ کتابی جوابات نہیں ہیں، یہ سراسر الہامِ ربانی اور فیوض رحمانی ہیں۔''9

صرف اسی پر اکتفا نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ خلافت بھی اسی کو عطا فرماتے ہیں کہ جس کو علم کا ایک وافر حصہ نصیب کیا گیا ہو۔ جب حضرت محبوب الٰہی اپنے مریدین کو خلافت سے سرفراز فرمانے لگے تو احباب نے اخی سراج عثمان کا نام بھی پیش کیا۔

شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

"اول درجه در ایں کار علم است"۔ 10

(اس کام میں سب سے پہلا درجہ علم کا ہے۔)

لہٰذا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں خلافت عطا نہ کی۔ دل سے اخی سراج ظاہری و باطنی علوم کے مشتاق تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان کی اس محرومی کے بارے میں سنا تو زبان مبارک سے فرمایا کہ میں چھ ماہ میں انہیں فاضلِ اجل بنا دوں گا، بعد ازاں علامہ زرادی نے انھیں قواعد، اصول، لغت، فقہ اور تمام ضروری علوم ازبر کرا دیے، تب حضرت سلطان المشائخ نے انھیں خلافت سے سرفراز فرمایا۔ 11

یہ نکتہ غور طلب ہے کہ ولایت کی بنیاد ہی علم پر استوار ہے، جو علومِ ظاہریہ سے روشناس نہیں ہوتا، اسے علومِ باطنیہ سے بھی سرفراز نہیں کیا جاتا اور یقیناً یہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مساعیٔ جمیلہ کا ہی اثر تھا کہ آپ کے خلفاء نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں علم و معرفت کے میدان میں ایسے اثرات چھوڑے، جن کی بدولت اہلِ ہند راہِ ہدایت پر گامزن ہو گئے اور وہ دین کی حقیقی روح سے آشنا ہو گئے۔ یقیناً مشائخِ چشت کا یہ ایسا احسان ہے، صدیاں جس کی مرہونِ منت رہیں گی۔

۳-خدمتِ خلق

صوفیۂ کرام اخلاق و سیرت نبوی ﷺ کے مکمل پَرتو ہوتے ہیں۔ مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور ایثار و محبت کا وہ جذبہ انہیں سیرتِ مصطفوی ﷺ سے عطا ہوتا ہے۔ خدمتِ خلق کے اسی جذبہ کی بدولت انسان کو مصائب و آلام اور آفات و بلیات سے نجات ملتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ پر جب پہلی مرتبہ جبرائیل امین علیہ السلام وحی لے کر آئے تو آپ ﷺ نے بارِ وحی کی کیفیت کو جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان فرمایا، اس وقت حضرت خدیجہ

الکبریٰ رضی اللہ عنہانے جو جواب ارشاد فرمایا، وہ خد متِ خلق کے تصور، معنویت اور ہمہ گیریت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہانے تسلی آمیز الفاظ سے یوں خطاب فرمایا:

”كَلاَّ وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ“12

(بخدا! اللہ آپ کو کبھی ضائع نہیں فرمائے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، جس کا کوئی نہیں، اس کے لیے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور آسمانی مشکلات و مصائب پر آپ خلقِ خدا کی مدد کرتے ہیں۔)

مذکورہ بالا روایت کا ایک ایک حرف گواہ ہے کہ جو بھی ان اخلاق واوصاف کا حامل ہو گا، اس کے مشن کی تکمیل ہو گی اور اسے فتح وظفر سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ مشائخ چشت کے یہاں مخلوق کی خدمت، ان کی حاجت برآری اور پریشانیوں میں ان کی غم گساری کا سلسلہ عبادت سے جڑا ہوا ہے بلکہ خدمتِ خلق کو وہ کئی جہت سے بعض عبادات سے بھی بہتر اور افضل گردانتے ہیں۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر نفیس اقبال لکھتے ہیں کہ:

”سلسلہ چشتیہ انسانی برادری کی وحدت کا قائل ہے اور انسانی برادری کو ایک رشتۂ الفت میں پرونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ کے مشائخ کے نزدیک مذہب، خدمتِ خلق کا دوسرا نام ہے اور بنی نوع انسان کو راحت پہنچانے کی کوشش روحانی کوشش ہے۔ انھی وجوہات کی بنا پر اس سلسلہ کی خانقاہیں محبت اور دلنوازی کا مرکز بن گئی تھیں، جہاں ہر شخص اپنی تکلیف بھول جاتا تھا۔“13

یہی وجہ تھی کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کا خاصہ تھا کہ آپ خدمتِ خلق پہ بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہاں تک فرمادیا کہ بازارِ قیامت میں کسی سامان کی اتنی قدر و قیمت نہ ہو گی، جتنی شکستہ دلوں کو راحت پہنچانے کی ہو گی۔14

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں خدمتِ خلق کے جذبے کو سمجھنے کے لیے امیر خورد کرمانی کے درج ذیل تبصرہ کو پڑھنا از حد مفید ثابت ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں ہر آنے والا خواہ غریب ہو یا امیر، مقیم ہو یا مسافر، جو بھی آتا اور قدم

بوسی کی سعادت حاصل کرتا، آپ کسی کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے تھے۔ کپڑے، تحائف، ہدایا جو کچھ بھی آپ کو عالمِ غیب سے پہنچتا، وہ تمام کے تمام آنے جانے والوں میں تقسیم فرمادیتے تھے۔15

ایک اور موقع پر صاحبِ سیر الاولیاء بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی وقت فتوحات زیادہ آجاتیں تو آپ کے گریہ میں اضافہ ہو جاتا اور آپ کوشش فرماتے کہ جلد از جلد تقسیم ہو جائے۔ چنانچہ وقفہ وقفہ سے کسی کو بھیجتے رہتے کہ دیکھ کر آؤ وہ فتوحات تقسیم ہو گئیں یا نہیں؟ جب آپ کو معلوم ہو جاتا کہ سب تقسیم ہو کر ضرورت مندوں تک پہنچ گئی ہیں، تب آپ اطمینان کا سانس لیتے۔ ہر ہفتہ تجرید فرماتے یعنی حجروں اور انبار خانوں کو خالی کرادیتے، حتیٰ کہ جھاڑو دے دی جاتی، اس کے بعد نماز جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے۔16

مصیبت زدوں اور غربت کے ماروں سے سچی محبت و ہمدردی صرف وہی کر سکتا ہے جو مصیبت اور غربت کی تمام تکالیف کو اپنے اوپر طاری کر سکتا ہو۔ جس کا شکم سیر ہو، وہ فاقہ زدوں کی حالت کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے؟ جس کو زندگی کی تمام تر آسائشیں میسر ہوں، وہ حاجت مندوں کی بے چینی اور تکلیف کا احساس کیونکر کر سکتا ہے؟ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے واقعات شاہد عادل ہیں کہ آپ کی اخلاقی تعلیمات فقط زبان تک محدود نہ تھیں بلکہ آپ بنفس نفیس اخلاقی اصولوں کی زندہ و جاوید مثال تھے۔ حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے گفتگو یا تحریر کی وساطت سے ہی نہیں بلکہ اپنے حسنِ کردار کے ذریعے سے معاشرے کو اخلاقی و روحانی تعلیمات سے آگاہی عطا کی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اکثر روزہ رکھا کرتے تھے، اس طرح کہ شاذ و نادر ہی کبھی سحری کھائی ہو۔ خواجہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جو حضرت کے خدمتگار تھے، عرض کرتے، مخدوماں! آپ نے افطار کے وقت بہت ہی کم کھانا تناول فرمایا ہے۔ اگر سحری کے وقت بھی کھانا تناول نہ کریں گے تو ضعف بڑھ جائے گا اور طاقت سلب ہو جائے گی۔ اپنے خدمتگار کی یہ بات سن کر حضرت خواجہ زار و قطار رونے لگتے اور فرماتے:

''چندیں مسکیناں و درویشاں در کنجہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ اند، ایں بعام در حلق من چگونہ فرو درود۔''17

(بہت سے درویش اور مساکین مساجد کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے اور فاقہ زدہ پڑے ہوئے ہیں، بھلا یہ کھانا میرے حلق سے کس طرح اتر سکتا ہے۔)

اس کیفیت کی ترجمانی امیر مینائی نے کچھ یوں کی ہے:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے 18

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ مصیبت زدوں اور غربت و افلاس کے ماروں کا درد اپنا درد سمجھتے تھے۔ محض محبتِ الٰہی کی خاطر خلقِ خدا کی حاجت روائی میں اپنی نیند بھی قربان کر دیتے تھے۔ حضرت شیخ ایک دن قیلولہ فرما رہے تھے کہ ایک درویش نے دستک دی۔ خانقاہ میں کچھ موجود نہ تھا۔ خادم نے اسے واپس کر دیا۔ عین اسی وقت حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے خواب میں بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمایا:

''اگر تمہارے گھر میں کچھ موجود نہیں بھی ہے، تب بھی آنے والے سے حسن سلوک تا حدِ امکان ضروری ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ یوں ہی خستہ دلوں کو لوٹا دیا جائے؟ آپ فوری طور پہ بیدار ہو گئے۔ خادم کو طلب کیا اور فرمایا کہ میں نے شیخ شیوخنا العالم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ اس بات پر مجھ سے ناراض تھے کہ سائل کو محروم لوٹا دیا ہے۔ آئندہ میں اگر آرام بھی کر رہا ہوں تو مجھ کو اطلاع دو تا کہ کوئی بھی تہی دست نہ جائے۔'' 19

۴۔ بیعت کا اذنِ عام

بیعت و ارادت در حقیقت گناہوں سے توبہ، احکامِ شرع کی پابندی، بدعات سے اجتناب، سنتوں کی پیروی اور شریعت پر استقامت و ثبات قدمی کا ایک معاہدہ ہے۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ طالبانِ علم و معرفت سے یہی بیعت لیتے تھے، اسے بیعت تقویٰ بھی کہتے ہیں۔ مشائخِ متقدمین رحمہم اللہ کے نزدیک بیعت کے معاملے میں بہت زیادہ سختی تھی کہ جب تک طالبِ صادق مقامِ توبہ پہ استقامت اختیار نہیں کر لیتا، اسے بیعت نہیں لیتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کے لیے اذنِ عام عطا فرما رکھا تھا۔ اس کی حکمت سے پردہ اٹھاتے ہوئے عہدِ سلطنت کے نامور اور مستند مؤرخ مولانا ضیاء الدین برنی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

ایک دن میں حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور اور جاں نواز باتیں سنتا رہا۔ اس روز خاص طور پر بہت لوگ کثرت سے بیعت ہو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ مشائخِ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے، جبکہ حضرت سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی و عنایت

سے اس کا اذنِ عام دے رکھا ہے اور آپ ہر خاص و عام کو مرید کر لیتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ اس بارے میں سوال کروں، اس سے پہلے کہ میں کچھ عرض کرتا، حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے کشف سے میرے خیال پر مطلع ہو گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''مولانا ضیاء الدین! تم ہر طرح کی باتیں پوچھ لیتے ہو۔ یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو مرید کیوں کر لیتا ہوں؟''

یہ سن کر مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا اور میں نے عرض کی کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ خیال تھا۔ آج بھی یہ وسوسہ آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ بات القاء فرمادی۔

حضرت نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہ و رسم اور عادتیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوی اللہ سے منقطع ہو جائے اور مشغول مع اللہ ہو جائے۔ مشائخِ متقدمین جب تک طالبِ ارادت میں انقطاعِ کلی نہ دیکھ لیتے تھے، بیعت نہیں فرماتے تھے۔ میں مرید کرنے میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں، نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اگر میں شروع ہی سے اس بات کو شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاعِ کلی پایا جاتا ہے کہ نہیں، پھر تو ان کا بہت سا طبقہ خیر کی اس مقدار سے بھی محروم رہ جائے گا، جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آرہی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور مسکنت و بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی۔ میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو، اسے بیعت کر لیتا ہوں، خاص طور پر اس لیے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت ہونے والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آجاتے ہیں۔20

اس بیعت و تعلق سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ یکساں طور پر مستفید ہوئے۔ لوگوں کے طرزِ معاشرت، اخلاق و عادات، اشغال و اوقات اور اہلِ حکومت سے لے کر اہلِ حرفہ تک کے حالات و واقعات پر اس بیعت و ارادت کے

کیا اثرات رونما ہوئے اور دارالحکومت دہلی میں جو شان و شوکت، طاقت و سطوت، دولت و ثروت اور عشرت کا گہوارہ تھا، وہاں دینداری، خدا طلبی، توبہ وانابت، رجوع الی اللہ، راست گفتاری اور دیانتداری کی کیا کیفیات پیدا ہو گئی تھیں، اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ضیاء الدین برنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی، آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے۔ ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے لوگ قحط و وباء کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے۔ اسی زمانے میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعتِ عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ بیعت کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں سے کثیر تعداد جو خود کو شیخ کے مریدوں میں شمار کرتی تھی، بہت سے ان کاموں سے پرہیز کرنے لگے جو کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ اگر شیخ کی خانقاہ میں حاضر ہونے والوں میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوتی تو اس کو تجدیدِ بیعت کرنا پڑتی۔ شیخ سے مرید ہونے کی شرم لوگوں کو بہت سے گناہوں سے ظاہر اور مخفی طور پر باز رکھتی تھی۔ عام لوگ یا دوسروں کی تقلید میں یا خود اپنے اعتقاد کی بنیاد پر عبادت اور بندگی کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ اس بابرکت زمانے میں لوگوں کا کثرت سے نفل پڑھنا اور اس کو قائم رکھنا اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ سلطانی دربار سے منسلک امراء، سلاح دار، محرر اور بادشاہ کے غلاموں میں سے بہت سے لوگ حضرت شیخ کے مرید تھے اور وہ چاشت اور اشراق کی نماز ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے۔ حتی کہ سلطان علاؤالدین بھی اپنے خاندان کے تمام لوگوں کے ساتھ شیخ کا معتقد ہو گیا تھا۔ گناہگار لوگ ان کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرتے اور آپ علیہ الرحمۃ ان سے توبہ کراتے تھے اور انہیں اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیتے تھے۔ بوڑھے، جوان، غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے۔ زیادہ تر مرید چاشت اور اشراق کے پابند ہو گئے تھے۔ آزاد اور نیک کام کرنے والوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیے تھے۔ کنوئیں کھدوا دیے گئے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیے گئے۔ ہر چبوترہ پر ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا گیا تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ علیہ الرحمۃ کے آستانے تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے لیے وضو کرنے کی کوئی دقت نہ ہو۔ ارتکابِ گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو چکا تھا۔ اس نیک زمانہ میں اکثر لوگوں میں حفظِ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ تصوف اور احکامِ طریقت کی کتابوں کے

مطالعے کی طرف توجہ مبذول ہوچکی تھی۔ احیاء العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ اور فوائد الفواد وغیرہ کتابوں کے بہت سے خریدار پیدا ہوگئے تھے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو اس آخری دور میں جنید و بایزید کی مثل پیدا کیا تھا اور اپنی ذات کے عشق سے جس کی کیفیت انسانی عقل میں نہیں آسکتی، آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ شیخ ہونے کے کمالات کی مہر، ان کی ذات پر لگا دی تھی اور ہدایت کے فن کو ان پر ختم کر دیا تھا۔"21

مذکورہ بالا سطور سے حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ جہت شخصیت کے اثرات واضح ہو جاتے ہیں، بلاشبہ آپ کی ہستی فصلِ خزاں میں بادِ بہاری کی نویدِ جانفزا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ الرحمۃ کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت سلسلۂ چشت کو حیاتِ جاودانی نصیب ہوئی۔ آپ کی حیات مبارکہ کے ایک ایک گوشہ سے یہ امر بھی مترشح ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی مصلح یا مربّی اصلاحِ انسانیت کا بیڑا اٹھا کر میدانِ عمل میں کود پڑے تو یقیناً اس کی کوششوں کے ثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔ درحقیقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت عصرِ حاضر کے مشائخِ عظام کو عملِ پیہم اور جہدِ مسلسل کی ترغیب دلاتی ہے اور اسی کی روشنی میں خانقاہی نظام کا احیاء کیا جا سکتا ہے۔

۵- تفویضِ خلافت

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور ملفوظات سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ خلافت و نیابت سپرد کرنے کے معاملے میں انتہا درجہ محتاط تھے۔ خلافت عطا کرنے کی عام شرائط کے ذیل میں مومن ہونا، مرد ہونا، بالغ ہونا، عالم ہونا، صالح متقی اور زاہد ہونا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ امانت کی متحمل ذات، دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کے میدان میں درست طور پر اپنا فریضہ انجام دے سکے۔ خلافت عطا کرنے کے طریقوں سے متعلق حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خواجہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ تفویضِ خلافت کے تین طریقے ہیں۔

۱- پہلا طریقہ محکم اور بہتر طریقہ ہے، جو رحمانی ہے اور جس میں خیر و برکت ہے۔ وہ یہ ہے کہ پیر کو جس مرید کے متعلق الہام ہو اور حق تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے شیخ کے دل میں ڈالے کہ فلاں کو خلافت دو، اسے خلافت عطا کر دی جائے۔

۲- دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پیر جس مرید میں اچھی صلاحیتیں دیکھے، اس کے بارے میں اجتہاد کرے۔ اس اجتہاد میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہے۔

۳- تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی کی سفارش وعنایت پر شیخ مرید کو خلافت عطا کرے۔
اس موقع پر حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایسی صورت میں جس میں شیخ کو انشراح نہ ہو اور مرشد کی اپنی رغبت یا فرحت شامل نہ ہو، کیا وہ مرید اس مرتبہ کے لائق ہو گا؟
حضرت نے فرمایا:

یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ ایسے مرید سے بہتری کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟22

اسی طرح آپ سے استفسار کیا گیا کہ وہ کون سے اوصاف ہیں جن کی وجہ سے آدمی خلافت کا مستحق ہوتا ہے؟
آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اس کام کے لیے بہت سے اوصاف درکار ہیں، البتہ جس زمانے میں میرے خواجہ نے مجھے دولتِ خلافت سے سرفراز فرمایا تھا، ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے علم، عقل اور عشق تینوں سے نوازا ہے اور جو، ان تین صفات سے متصف ہو اسے مشائخ کی خلافت سزاوار ہے۔''23
حضرت مولانا شمس الدین یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے خلافت نامہ میں حضرت سلطان المشائخ نے جن اوصاف کا ذکر کیا ہے، ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ تفویضِ خلافت کے لیے کس طرح کی روحانی اہلیت درکار ہے؟ ذیل میں ان کے خلافت نامہ کے کچھ حصے کا ترجمہ اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے: ''میں (نظام الدین)، مولانا شمس الدین یحییٰ کو ارشاد وہدایت کی اجازت عطا کرتا ہوں جبکہ وہ سیدِ کائنات ﷺ کی پیروی واتباع میں ثابت و مستقیم رہیں۔ تمام اوقات اطاعت و فرمانبرداری میں مستغرق رہیں اور نفسانی وساوس وخطرات سے دل کو پاک اور محفوظ رکھیں۔ دنیا واسباب دنیا سے روگردانی اختیار کریں۔ بالکلیہ ان تمام علائق سے جدا ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں حتی کہ اس کے دل میں عالمِ قدس کے انوار تاباں ہو جائیں اور عالم ملکوت کے آثار ظاہر اور روشن ہو جائیں اور اس کے لیے شناختِ حق کا دروازہ کھل جائے، تبھی وہ اپنے مریدین کو خرقہ پہنائے اور اہل یقین کو اعلیٰ مقامات کی طرف رہنمائی کے لیے انھیں مرشد بنائے۔''24
مذکورہ بالا بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے نظامِ خانقاہی میں خلافت واجازت عطا کرنے کے لیے کس قدر کڑی شرائط مقرر کر رکھی تھیں۔ عصرِ حاضر کے مشائخ کرام بھی اگر ان شرائط کی روشنی میں کوئی معیار طے کریں تو یقیناً خالی از فائدہ نہ ہو گا۔ اس بات میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ صاحبِ سجادہ جتنا باکردار اور بااخلاق

ہو گا،اس کے متوسلین بھی اسی کی اتباع کرتے ہوئے ظاہر و باطن کی پاکیزگی کی جانب مائل ہوں گے اور یوں ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ ظہور پذیر ہو گا۔

٦-غیر مسلموں کے ساتھ رواداری

ہندوستان میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے اور مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مسلم اقوام کے لیے مذہبی رواداری کا اہتمام کیا،اسلام کے نام پر کسی سے زور زبردستی نہیں کی۔ مذہب کے نام پر کہیں بھی ظلم کا ساتھ نہیں دیا بلکہ ایک سماج کے اندر مختلف اکائیوں کو برداشت کیا، تحمل، یک جہتی اور امن وسلامتی کو اپنا طرۂ امتیاز بنایا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عملی طور پر اس بات کا اظہار کیا کہ تمہارے لیے تمہارا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین ہے۔ انسان ہونے کے ناطے ہم سب ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ ایک مسلمان لڑکا حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا اور ساتھ میں اپنے ایک ہندو دوست کو بھی لایا۔ خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار فرمایا کہ یہ بھائی اسلام کی طرف رغبت رکھتا ہے؟

اس نے عرض کی کہ اسے آپ کی خدمت میں اسی لیے لایا ہوں کہ آپ کی نظر کیمیا اثر سے یہ مسلمان ہو جائے۔
یہ سن کر حضرت آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

کسی کے کہنے سننے سے اس قوم کا دل نہیں پھرتا،ہاں اگر کسی مردِ صالح کی صحبت میسر آجائے تو امید کی جاتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے۔25

حضرت سلطان المشائخ علیہ الرحمۃ کی تعلیمات، ہمہ گیریت اور عالمگیریت کے وصف سے موصوف تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اخلاقِ حسنہ کی بدولت اپنے تو اپنے پرائے بھی آپ کے گرویدہ ہو گئے۔آپ کی خانقاہ پہ ہر خاص وعام کا تانتا بندھا ہوتا تھا،ہر وقت کسی نہ کسی کے دکھ درد کا مداوا ہو رہا ہوتا تھا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسی حوالہ سے فرماتے ہیں:

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مُغاں ہے مردِ خلیق26

آپ کے انہی اخلاقِ حسنہ کی بدولت اسلام کی روشنی سے چہار دانگ عالم منور ہو گئے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃاللہ علیہ کے پاس ہر دیو نام کا ایک ہندو اکثر حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک دن وہ حاضر ہوا تو پریشانی کے آثار اس کے چہرے سے ٹپک رہے تھے۔ اصل میں ماجرا یوں ہوا کہ ایک مسلمان دکاندار نے ہر دیو کے ساتھ چھیڑ خانی کی اور اسے مسلم حکومت کا محکوم بتانے کے لیے ذمی کہہ کر پکارا، اس سب سے اس کا مقصد اس ہندو پر اپنی برتری ظاہر کرنا تھا کہ ہماری حیثیت حاکم کی جبکہ تمھاری حیثیت رعایا کی ہے۔

شیخ علیہ الرحمۃ نے ذمی کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم سب خدا کے ذمی ہیں، کوئی انسان کسی انسان کا ذمی نہیں ہو سکتا، کیونکہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کی ویسی حفاظت کر سکے جیسی خدا اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔''27

آپ رحمۃاللہ علیہ نے ذمی اور حربی کی فقہی بحث کو نہیں چھیڑا بلکہ اس کا ایک ایسا مفہوم بیان کیا کہ جس کی وجہ سے اس کا دل بھی مطمئن ہو گیا اور مسئلہ بھی واضح ہو گیا۔

۷-دیگر سلاسل کے مشائخ کا احترام

تصوف کے تمام سلاسل کے مشائخ نہ صرف یہ کہ دیگر سلاسل کے مشائخ کا احترام کرتے ہیں بلکہ ان سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ اپنے نقص کو دور کرنے کے لیے ایک دوسرے کی صحبت اختیار کرتے ہیں۔ ایک سلسلہ کے مشائخ دوسرے سلسلہ کے مشائخ کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃاللہ علیہ اور خواجہ رکن الدین رحمۃاللہ علیہ کے مابین کئی مرتبہ ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ سیر الاولیاء میں مذکور ہے کہ ایک بار دہلی کے قیام کے دوران حضرت شیخ رکن الدین رحمۃاللہ علیہ، حضرت محبوب الٰہی رحمۃاللہ علیہ کی زیارت کے لیے خانقاہ شریف میں حاضر ہوئے۔ دونوں سعید ارواح کی باہمی ملاقات کے دوران شیخ رکن الدین کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کے دل میں بعض عارفانہ نکات حل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ لہٰذا وہ دونوں سے اجازت لے کر عرض گزار ہوئے کہ ہجرت نبوی ﷺ میں کیا مصلحت تھی یعنی اس کا روحانی پہلو کیا تھا؟

حضرت شیخ رکن الدین رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ کے بعض کمالاتِ باطنی کی تکمیل ہجرت پر منحصر تھی، اس لیے آپ مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وجہ اس فقیر کے دل میں بھی آتی ہے لیکن یہ وجہ کسی تفسیر اور کتاب میں میری نظر سے نہیں گزری۔ وہ وجہ یہ ہے کہ مدینہ میں رہنے والے ناقص تھے، ان کے نقص کو کمال میں تبدیل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا تھا تاکہ آپ ناقص کو کامل بنادیں۔28

اس حکایت میں دونوں بزرگوں کی الگ الگ تشریحات میں یہ حکمت واشارہ بھی پنہاں تھا کہ میں ملتان سے دہلی اس لیے آیا ہوں تاکہ میرے باقی ماندہ کمالات آپ کے فیض سے حاصل ہو جائیں جبکہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں یہ اشارہ ہے کہ میں ناقص تھا، مجھے کمال تک پہنچانے کے لیے آپ کو ملتان سے دہلی بھیجا گیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے خانقاہی نظام میں نہ صرف یہ کہ مشربی توسّع تھا بلکہ اخذ واستفادہ، نقص کو کمال میں بدلنا، کمال کو عروج عطا کرنا اور باہمی فیض رسانی جیسی خوبیاں بھی شامل تھیں۔ اہل خانقاہ باہمی تفرقہ سے نہیں بلکہ روحانی اتحاد سے جانے جاتے تھے، اسی لیے وہ سرخرو تھے اور اہل زمانہ کے لیے سراپا مثال تھے۔

۸-حکمرانوں کے ساتھ تعلقات

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی بادشاہوں سے اس قدر دوری تھی، ان سے ملاقات کے لیے جانا تو درکنار، بادشاہ جلال الدین خلجی بار بار نیاز مندی اور شرف باریابی چاہتا ہے مگر پھر بھی آپ اجازت عطا نہیں فرماتے۔ جب وقت کا بادشاہ حضرت کی خانقاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے تو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں غائبانہ دعا میں مشغول ہوں اور ایسی دعا میں زیادہ اثر ہوتا ہے۔“

جب وہ تخت وتاج کا مالک زیادہ اصرار کرتا ہے تو حضرت پیغام بھجوادیتے ہیں کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں۔

”اگر بادشاہ از یک درآید من از دیگر بیروں روم“۔29

(اگر بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا تو میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔)

اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقی سلطان کون ہے؟ تخت دہلی پہ براجمان علاء الدین یا خاک نشین خواجہ نظام الدین؟

۹-مجالسِ علم وتزکیہ

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے خانقاہی نظام میں جہاں بے شمار خصوصیات نظر آتی ہیں، ان میں مرکزی حیثیت آپ کی صحبت میں لوگوں کا بیٹھنا، مجلسِ علم سے فائدہ حاصل کرنا، دروسِ تصوف سے عرفان اور روحانیت کی اعلیٰ منازل طے کرنا بھی شامل ہے۔ آپ کے ملفوظات وہ لاہوتی نغمے تھے جنہیں سن کر ایک عالم آپ کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو گیا اور وقت کے مشاہیر علماء نے اپنی گردنیں آپ کے روبرو خم کر دیں۔ ایک مرتبہ مولانا شمس الدین نے مولانا صدر الدین سے کہا کہ نظام الدین سلطان المشائخ یہیں پاس ہی رہتے ہیں۔ دہلی کی خلقت ان کی بڑی معتقد ہے۔ خدا جانے ان کے علم کا کیا حال ہے؟ ان کی خدمت میں چلتے ہیں، زیادہ عجز و انکسار سے کام نہ لیں گے اور نہ ہی لوگوں کی طرح زمیں بوس ہوں گے۔ حاضر ہو کر سلام کریں گے اور بیٹھ جائیں گے۔ یہ نیت کرنے کے بعد وہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جیسے ہی ان دونوں بزرگوں کی نظر حضرت کے حسن مبارک پر پڑی، اس ہیبت سے جو خدا اپنے محبوبین و مقربین کو عطا کرتا ہے، وہ دونوں مرعوب و متاثر ہوئے اور زمین بوس ہو گئے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، بعد ازاں استفسار فرمایا، کیا پڑھتے ہو؟

انھوں نے کہا، مولانا ظہیر الدین سے "بزدوی" پڑھتے ہیں۔

جہاں تک ان کا سبق پہنچا تھا، اس سبق میں ایک مشکل رہ گئی تھی جو مولانا ظہیر الدین سے حل نہ ہو سکی تھی۔ حضرت سلطان المشائخ نے اس سبق کی اسی مشکل کے متعلق پوچھا تو وہ حیران و ششدر رہ گئے اور کہا: "یا مخدوم! یہی مشکل مقام رہ گیا تھا۔ مولانا ظہیر الدین نے فرمایا تھا کہ وہ تحقیق کریں گے اور بعد میں اس مشکل کا ازالہ فرمائیں گے"۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ مسکرائے اور ان کی مشکل کو دلی اطمینان کے مطابق حل کر دیا۔ جب اٹھنے لگے تو سلطان المشائخ نے مولانا شمس الدین یحییٰ کو پٹکا اور مولانا صدر الدین کو دستار عطا فرمائی۔ جب دونوں بزرگ حضرت کی خدمت سے باہر آئے تو کہنے لگے: "شیخ کی عظمت و کرامت کا تذکرہ تو سن رکھا تھا، آج ان کے علمی تبحر کا بھی پتہ چل گیا"۔30

حضرت خواجہ کی مجلسِ علم میں بڑے بڑے علماء، زہاد اور عرفاء موجود ہوتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قلوب پہ بہت گہری نظر ہوتی تھی، حتیٰ کہ قلوب میں وارد ہونے والے اشکالات کا بھی بخوبی ازالہ فرما دیتے تھے۔

۱۰۔ محفلِ سماع

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ بہت سی خصوصیات کا مجموعہ تھی۔ ان میں خاص چیز حضرت کی محفلِ سماع بھی ہے۔ آپ سماع کی حلت کے قائل تھے اور اس مسئلے میں محققین صوفیہ کی روش پر قائم تھے۔ احادیث مصطفوی ﷺ سے دلیل کی بنیاد پر سماع سنتے تھے۔ امیر خورد کرمانی نے سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اپنی کتاب سیر الاولیاء میں سماع کے اثرات و فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''میں نے حضرت کے دست مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے جسے آپ نے عوارف المعارف سے نقل کیا ہے کہ سماع، تمام مریدین و معتقدین اور اصحابِ ریاضت کا حق ہے۔ جب نفس اور تن ہلاک ہونے لگتے ہیں تو وہ اس حدیث کی بناء پر کہ

"ان لنفسك عليك حقا".31

(بے شک تجھ پر تیرے نفس کا حق ہے۔)

تو کچھ زمانہ سماع کے زریعہ آرام کر لیتے ہیں، پھر انہیں کام میں مشغول کرتے ہیں۔32

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے سلطان المشائخ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ: ''سماع کی چار اقسام ہیں؛ حلال، حرام، مکروہ، مباح۔

ان کی وضاحت کچھ یوں ہیں کہ اگر صاحبِ وجد کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ ہو تو مباح ہے۔

اگر مجاز کی طرف ہو تو مکروہ ہے۔ اگر دل مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو حلال ہے اور اگر دل بالکل مجاز کی طرف ہو تو حرام ہے۔''33

سماع کے بارے میں مذکورہ بالا اقوال سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سماع کی حلت کے قائل تھے، تاہم آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سماع کے کچھ اصول و ضوابط متعین تھے، انہی کی روشنی میں آپ سماع کی اباحت کے قائل تھے۔

خلاصۂ بحث

مذکورہ بالا سطور سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا خانقاہی نظام بے شمار خصوصیات پر مشتمل تھا۔ آپ کی تعلیمات، اخلاق سے بھرپور اور خانقاہ، محبت کا مصدر و مخزن تھی۔ فی الحقیقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغِ حق اور نصح خیر کا فریضہ بڑی دردمندی اور جوانمردی سے سرانجام دیا اور حق

گوئی و بے باکی کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔آپ کے تربیت یافتہ رجالِ کار نے جہاں بھی قدم رکھا، وہاں کے ویران گلشن کی محبت سے آبیاری کی جس سے امن وآشتی کے پھول چہار سُو مہکنے لگے۔یقیناًآپ کی جملہ تعلیمات اخلاص وللّٰہیت پر مبنی ہیں اور ان کا دائرہ کار بھی انتہائی وسیع ہے۔جذبۂ ہمدردی آپ کا شیوہ تھا۔خود بھوکے پیاسے رہ کر خلقِ خدا کو نوازنا، آپ کی ترجیحات میں شامل تھا۔حضرت سلطان المشائخ رحمۃاللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل میں جتنے بھی عناصر کارفرما ہیں ان سب کی ترویج واشاعت میں آپ رحمۃاللہ علیہ نے مثبت، جامع اور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔آپ کے خانقاہی نظام کے مظاہر میں سے ہر ہر جہت اس قابل ہے کہ اسے زندگی کا نصب العین بنایا جائے اور اس پہ عمل پیرا ہوتے ہوئے معاشرے میں محبت والفت کی فضا قائم کی جائے۔یہی پیامِ سیرت نبوی ﷺ ہے اور تعلیمِ امت میں مشغول رجال کار کا درس بھی اور اسی میں فوز وفلاح کے اسرار ورموز پنہاں ہیں۔اگر آج کے اس مادیت گزیدہ دور میں مسندِ سجادگی پر متمکن افراد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃاللہ علیہ کے خانقاہی نظام کو نافذ العمل بنائیں تو یقیناً اصلاحِ معاشرہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔خانقاہی نظام کے احیاء کے لئے مذکورہ بالا نکات کو اپنانا ناگزیر ہے، ان نکات کو اپنانے سے ہی خانقاہیں اپنے مقاصدِ تاسیس کو بحسن وخوبی ادا کر سکیں گی۔

حوالہ جات وحواشی

1 سید صفی حیدر، پروفیسر، تصوف اور اردو شاعری، لاہور، سندھ ساگر اکادمی، ستمبر ۱۹۴۸ء، ص: ۷۰

2 ہجویری، علی بن عثمان، (داتا گنج بخش)، کشف المحجوب فارسی، لاہور، النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، ط: اول، ۲۰۱۳، ص: ۳۸

3 قلندر، حمید شاعر، خیر المجالس (ملفوظات خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی)، کراچی، واحد بک ڈپو، (س،ن)، ۲۴۸/۱

4 غیاث الدین، مولانا، غیاث اللغات مع منتخب اللغات وچراغ ہدایت، قدیمی کتب خانہ، کراچی، (س،ن)، ص: ۲۵۵، ۲۵۶

5 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سید، سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محب ھند، ۱۳۰۲ھ، ص: ۲۰۴

6 امیر حسن سجزی، فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء)، مترجم: خواجہ حسن ثانی نظامی، لاہور، مکتبہ زاویہ، ۲۰۰۳ء، ۱۴۶/۱۔۱۴۷

7 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص: ۳۵۴

8 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص: ۳۲۸

9 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۱۳۰

10 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۲۸۸

11 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۳۲۸

12 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، کراچی، مکتبۃ البشریٰ، ۱/ ۱۲۱، رقم الحدیث: ۰۳

13 نفیس اقبال، ڈاکٹر، ابدیت کے تناظر سے، لاہور، طیب اقبال پریس، ادارہ ثقافت اسلامیہ، (س، ن)، ص: ۱۱۲

14 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۱۲۸

15 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۱۲۹

16 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۱۳۱

17 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۱۲۸

18 https:/ / www.rekhta.org/ shayari-image/ khanjar-chale-kisii-pe-tadapte-hain-ham-amiir-couplets-ameer-minai?lang=ur30.07.2020/ 02:40A.M

19 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۱۲۹

20 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۳۴۶-۳۴۸

21 برنی، ضیاء الدین، تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ سر سید اکیڈمی، (۲۰۰۵ء)، ص: ۳۴۱-۳۴۴

22 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۳۴۵

23 محوّلہ بالا

24 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۲۳۰

25 امیر حسن سجزی، فوائد الفواد، ۴/۳۶۵

26 محمد اقبال، علامہ، بال جبریل، لاہور، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، ط: دوم، (س-ن)، ص ۲۳۶

27 نظامی، سید حسن، خواجہ، نظامی بنسری، لاہور، زاویہ پبلشرز، ۲۰۰۵، ص: ۴۵

28 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص:۱۳۸

29 محدث دہلوی، شیخ عبد الحق، اخبار الأخیار فی الاسرار الأبرار، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ، ص: ۶۴

30 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص: ۲۲۲-۲۲۴

31 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب من اقسم علی اخیہ.......، ۸۵/۲، رقم الحدیث: ۱۹۶۸

32 میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سیر الاولیاء، ص: ۵۳۳

33 خواجہ محب اللہ چشتی، مفتاح العاشقین (ملفوظات خواجہ محمد نصیر الدین)، (مشمولہ ہشت بہشت)، مترجم: مولانا غلام احمد بریاں، لاہور، مکتبہ زاویہ، ۲۰۰۳ء، ص: ۸۶۸